مثنوی اسرارِ خودی پر ایک نظر

ڈاکٹر تسکینہ فاضل

مثنوی اسرار خودی کو موضوع بحث بنانے سے پیشتر مذکورہ مثنوی کے حوالے سے دو اساسی نکتوں کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے اول یہ کہ اردو سے فارسی کی طرف اقبال کے میلان یا DIVERSION کے اسباب اور دوم یہ کہ اس مثنوی کے لئے بالخصوص خودی ہی کا موضوع منتخب کرنے کا سبب۔ جہاں تک پہلے نکتہ کا تعلق ہے' اردو زبان میں بانگ درا' بال جبریل اور ضرب کلیم جیسی وقیع تصانیف کے باوجود اقبال کو دقیق خیالات کے اظہار اور وسعت بیان کی خاطر اردو کے تنگنائے سے نکل کر فارسی کو اپنانا پڑا۔ اقبال کے شعری مذاق میں اس تغیر کے رونما یا وقوع پذیر ہونے کے پسِ پُشت کئی عوامل کارفرما بتائے جاتے ہیں۔ اس کی سب سے پہلی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ تصوف پر کتاب لکھنے کیلئے اقبال نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا اور علم فلسفہ کے متعلق جیسے جیسے اُن کے علم میں وسعت اور گہرائی آتی گئی'

اُسی قدر انہیں اندازہ ہوا کہ اردو کے مقابلے میں فارسی کا سرمایہ کہیں زیادہ ہے۔" اور فارسی میں کئی فقرے اور جملے سانچے میں ڈھلے ہوئے ایسے ملتے ہیں جن کے مطابق اُردو میں نقرے ڈھالنے آسان نہیں" عـ۱ ظاہر ہے یہ تغیر کوئی وقتی یا اضطراری تغیر نہ تھا بلکہ اسے اقبال کے تخلیقی سفر میں ایک سنجیدہ اور معنی خیز تغیر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے چنانچہ اسرار خودی سے لیکر ارمغان حجاز تک اقبال کا تمام تر شعری سفر فارسی زبان ہی میں جاری رہا۔ ہاں البتہ اس سفر کے دوران وہ اردو میں بھی لکھتے رہے تاہم ان کا طبعی اور ذہنی میلان اب زیادہ تر فارسی ہی کی طرف رہا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اب فارسی اُن کے رگ وپے میں سرائیت کر چکی تھی اور ان کے ذہن وقلب کا جزو لاینفک بن چکی تھی۔ دوسری بات یہ کہ اسرار خودی میں خالصتاً خودی کا موضوع منتخب کرنے کے پس پُشت بھی کئی عوامل کارفرما ہیں' اقبال اس مثنوی کے ذریعے مسلمانوں کے ذہنوں میں عرصہ دراز سے راسخ ہوئے غیر اسلامی عقائد اور تصورات کی جگہ اس حقیقی اِسلام کو جسے رسول مقبولؐ نے پیش کیا تھا بٹھانا چاہتے تھے کیونکہ ہندوستان کے مسلمان اِسلام کی حقیقی تصویر کو بہت حد تک فراموش کر چکے تھے اور عجمی اسلام ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا تھا مسلمانوں کے ذہنوں میں عجمی تصوف یا غیر اسلامی تصوف کے نتیجے میں نفی خود کا تصور کافی پختہ ہو چکا تھا' دوسری طرف ہندو مت اور بدھ مت کی رو سے اپنی خودی کو مٹا دینے والا منش خدا کا ہم ذات ہو جاتا یا خود خدا بن جاتا ہے۔ اِسی طرح مسلمانوں میں قناعت، توکل، تسلیم و رضا کے تصورات بھی اقبال کے نزدیک غیر اسلامی ہو کر رہ گئے تھے۔ نفس کشی کے لئے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ انسان آرزوں اور خواہشات کو ترک کر دے اور ترک آرزو یا ترک خواہش سے قرب الٰہی حاصل ہونے کا تصور یا عقیدہ عام ہو چکا تھا مسلمانوں میں اس نوع کے غیر اسلامی تصورات کے ردعمل میں اقبال نے مثنوی اسرار خودی کے دیباچے میں شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے صوفیانہ افکار پر سخت تنقید کر کے انہیں

عـ۱ کلیات اقبال۔ دیباچہ از شیخ عبدالقادر بیرسٹر ایٹ لا سابق مدیر مخزن۔ ص ۱۶

مسلمانوں کے لئے اس لئے مضرت رساں قرار دیا کیونکہ وہ مسلمانوں کو بے عملی کی تعلیم دیتے ہیں اور بے عملی کی تعلیم قرآنی تعلیم کے بالکل منافی ہے اسی طرح فنا اور بقا کے تصورات بھی اسلامی تصوف کے مطابق نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض اکابر صوفیائے اسلام نے فنا اور بقا کے تصورات کی تعریف قرآن کے تناظر میں کی ہے لیکن ایسے ہندی اور ایرانی صوفیا کی بھی کمی نہیں جنہوں نے مسئلہ فنا کی تفسیر بدھ مت اور ویدانت کے زیر اثر کی ہے اور اس کے نتیجے میں مسلمان "اس وقت ناکارہ محض ہے" اقبال نے اس تفسیر کو بغداد کی تباہی سے بھی زیادہ خطرناک قرار دیا ہے اور ان کی تمام تحریریں ایک اعتبار سے اس تفسیر کے خلاف ایک قسم کی بغاوت ہیں۔

اقبال کا مولانا روی کے مندرجہ ذیل اشعار کو مثنوی اسرار خودی کے شروع میں درج کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اقبال مولانا روم ہی کی طرح ایک انسان کامل کی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھے۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر — کز دیو و دد ملولم انسانم آرزو ست
زین ہمر ہاں سست عناصر دلم گرفت — شیر خدا و رستم دستانم آرزو ست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما — گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزو ست

مثنوی اسرار خودی پہلی مرتبہ ۱۹۱۵ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی۔ اس مثنوی نے صوفیانہ اور ادبی حلقوں میں ایک ہنگامہ برپا کیا۔ پیر زادہ مظفر احمد فضلی نے اسرار خودی کے جواب میں راز بے خودی لکھ کر اقبال کو تصوف دشمن ہی نہیں بلکہ اسلام دشمن تک قرار دیا اقبال اپنے علم دوست احباب اور دیگر علماء سے خطوط اور دیگر نثری تحریروں کے ذریعے حقیقت حال کی وضاحت کرتے رہے کہ اُن کا مقصد تصوف پر حملہ کرنا نہیں بلکہ خالص اسلامی تصوف کو پیش کرنا ہے۔ بہر حال مصلحت کوشی کے پیش نظر مثنوی اسرار خودی سے دیباچہ اور خواجہ حافظ کے متعلق کہے گئے اشعار حذف کئے گئے۔ تب جا کر کے معاملہ کچھ سرد پڑ گیا۔

Scanned with CamScanner

مشہور مستشرق پروفیسر نکلسن نے اسرار خودی کا ترجمہ "SECRETS OF THE SELF" کے نام سے کیا۔ یہ انگریزی ترجمہ ۱۹۲۰ء میں شائع ہوا۔ موصوف نے دیباچے میں لکھا کہ یہ مثنوی زبردست آواز ہے جو مسلمانوں کو محمدؐ اور قرآن کی طرف بلاتی ہے اور اس آواز میں جو سوزِ صداقت ہے اس کی ہم تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ع۱ اقبال کو تعجب تھا کہ جس قوم کے لئے یہ مثنوی لکھی گئی تھی وہ اس کے مفہوم کی تہہ تک پہنچنے میں ناکام ہو کر کافی دیر تک اس کے خلاف اپنے شدید ردعمل کا اظہار کرتی رہی اور جن قوموں سے اس مثنوی میں خطاب ہی نہیں کیا گیا تھا وہ اس کا مطلب سمجھ گئی ہیں۔

اقبال کا مطالعہ کافی وسیع تھا انہوں نے فلسفہ، تاریخ، ادبیات، سیاسیات اور کئی دوسرے فنون کا گہرا مطالعہ کیا تھا انہوں نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے اپنی حیات کا زیادہ تر حصہ اسلام اور اسلامی فقہ و سیاست، تہذیب و تمدن اور ادبیات کا مطالعہ کرنے میں صرف کیا ہے اور قرآن پاک ہی ان کی فکر کا سرچشمہ ہے قرآن پاک میں انسان کو افلا تعقلون، افلا تدبرون جیسے الفاظ کے ذریعے تفکر اور تدبر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اقبال ایک باشعور اور حقیقی مسلمان کی طرح قرآن کی ہر آیت پر غور و فکر کرتے رہے۔ اسی قرآن میں اہل ایمان پر اپنی خودی کو محفوظ رکھنے اور اسے مستحکم کرنے کا فرض عائد کیا گیا ہے یا ایھا الذین آمنو انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم الی اللہ مرجعکم جمیعاً فینبئکم بما کنتم تعملون ۵ (سورۃ المائدہ) ع۲

شارح اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی قرآن پاک کی اس آیت کو اقبال کے فلسفہ

ع۱ فقیر سید وحید الدین۔ روزگار فقیر۔ ص۔ ۱۲۷

ع۲ ترجمہ۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر فرض ہے خودی کی حفاظت۔ اگر تم ہدایت پر ہو تو وہ شخص جو گمراہ ہے تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ تم سبھوں کو اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال پر مطلع کر دے گا۔ (تاکہ ان کے مطابق ان کو سزا مل سکے)

Scanned with CamScanner

خودی کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں۔ جہاں تک لفظ خودی کا تعلق ہے اقبال کے عہد میں اور اُن سے پیشتر بھی خودی کا لفظ اُردو اور فارسی دونوں زبانوں میں مستعمل رہا ہے لیکن اس لفظ کو غرور یا تکبر کے محدود، روایتی اور منفی معنوں میں استعمال کیا جاتا رہا ہے، اقبال جیسی نابغہ روزگار شخصیتیں اپنے عہد یا پیشروؤں کے ہاتھوں استعمال کی گئی اصطلاحات اور لفظیات کو جوں کا توں پیش کرنے پر قانع نہیں بلکہ وہ انہیں مثبت، وسیع اور آفاقی تناظر میں دیکھنے اور ان کا تجزیہ کرنے کا غیر معمولی شعور اور ادراک رکھتی ہیں، چنانچہ انہوں نے اسرار خودی میں جب خودی کا لفظ برتا تو اسے اپنے مروجہ اور روایتی معنوں کی حدود سے نکال کر قرآن کی روشنی میں مثبت اور وسیع معنیٰ عطا کئے، چنانچہ خودی کے لفظ اور اقبال کے فلسفہ خودی کو اقبال کے برتے ہوئے سیاق و سباق (CONTEXT) میں دیکھنے اور اس کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ اس (CONTEXT) سے باہر جاکر اقبال کے فلسفہ خودی کی تفہیم میں غلط نتائج کے اخذ ہونے اور گمراہ ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔

اقبال لکھتے ہیں :-

> "یہ وحدت وجدانی یا شعور کا روشن نقطہ جس سے تمام انسانی تخیلات و جذبات مستنیر ہوتے ہیں یہ پراسرار شئے جو فطرت انسانی کی منتشر اور غیر محدود کیفیتوں کی شیرازہ بند ہے، یہ خودی، یہ انا، یا عین۔"

جو عمل کی رو سے ظاہر اور اپنی حقیقت کی رو سے مضمر ہے جو تمام مشاہدات کی خالق ہے مگر جس کی لطافت مشاہدے کی گرم نگاہ کی تاب نہیں لاسکی، کیا چیز ہے؟ کیا یہ ایک لازوال حقیقت ہے، یا زندگی نے محض عارضی طور پر اپنی خودی عملی اغراض کے حصول کی خاطر اپنے آپ کو اس فریب تخیل یا دروغ مصلحت آمیز کی صورت میں نمایاں کیا ہے؟ اخلاقی اعتبار سے افراد اقوام کا طرز عمل اس نہایت ضروری سوال کے جواب پر منحصر ہے اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہ ہوگی جس کے حکما اور علماء نے

کسی نہ کسی صورت میں اس سوال کا جواب پیدا کرنے کے لئے دماغ سوزی نہ کی ہو، مگر اس سوال کا جواب افراد اقوام کی دماغی قابلیت پر اس قدر انحصار نہیں رکھتا، جس قدر کہ ان کی افتاد طبیعت پر۔ مشرق کی فلسفی مزاج قومیں زیادہ تر اسی نتیجے کی طرف مائل ہوئیں کہ انسانی انا محض ایک فریب تخیل ہے اور اس پھندے کو گلے سے اتار دینے کا نام نجات ہے۔ مغربی اقوام کا عملی مذاق ان کو ایسے نتائج کی طرف لے گیا جس کیلئے ان کی فطرت متقاضی تھی" ؏۱

اقبال کے نزدیک خودی احساس نفس کا نام ہے تعین ذات ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ۔ خودی عرفان نفس کا نام ہے۔ عرفان نفس ہی سے رب کا عرفان حاصل کیا جا سکتا ہے۔ خودی کو ایک ایسی قوت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جو ہر شخص کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر کئی صلاحتیں پیدا کی ہیں بعض اوقات اُسے غیر معمولی استعداد سے نوازا جاتا ہے۔ اس لئے ہر انسان خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی صلاحیت کو پہچانے اور اپنی استعداد کو بیدار کرے۔ جب انسان کو اپنی استعداد یا صلاحیت کا علم ہو جائے تو اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ان صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ لیکن ان صلاحیتوں یا قوت کو انسان کی ضرر رسانی کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے پہلی صورت میں خودی کو اعلیٰ ترین مقصد کے تابع کیا جاتا ہے مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنی خودی کو قانون الٰہی کے تابع کرے اور جب خودی قانون الٰہی کی پابند ہو جائے، تو اقبال کے الفاظ میں 'مسلمان ہو جاتی ہے'۔ اقبال لکھتے ہیں:۔

"خودی خواہ مسولینی کی ہو، خواہ ہٹلر کی، قانون الٰہی کی پابند ہو جائے تو مسلمان ہو جاتی ہے مسولینی نے حبشہ کو محض جوع الارض کی تسکین کے لئے پامال کیا۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں حبشہ کی آزادی کو

؏۱ دیباچہ اسرار خودی بحوالہ اقبال (مجلہ بزم اقبال) حکیم احمد شجاع۔ نظریہ خودی کا صحیح مفہوم۔ ص ۷۳، ۷۴

محفوظ رکھا۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی صورت میں خودی کسی قانون کی پابند نہیں۔ دوسری صورت میں قانون الہٰی اور اخلاق کی پابند ہے۔" ؎۱

اسرارِ خودی کے عنوان "دربیان اینکہ اصل نظامِ عالم از خودی است و تسلسل حیات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد" کے تحت اقبال نے بتایا ہے کہ نظامِ عالم کی اصل خودی سے ہے اور تعینات وجود کی حیات کا تسلسل خودی کے استحکام پر انحصار رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک کائنات کا وجود یا پیکرِ ہستی خودی ہی کا نتیجہ ہے ماسوا کا وجود خدا کی خودی سے سرزد ہوا ہے۔ خودی کا اثبات اس وجہ سے ہوا کہ خودی نے اپنا غیر پیدا کیا۔

صد جہاں پوشیدہ اندر ذاتِ اُو   غیرِ او پیدا است از اثباتِ اُو
در جہاں تخمِ خصومت کاشت است   خویشتن را غیرِ خود پندا شت است
سازد از خود بر پیکرِ اغیار را   تا فزاید لذتِ پیکار را

خودی کو جن عناصرِ ثلاثہ سے تقویت حاصل ہوتی ہے، وہ ہیں عمل، رزقِ حلال اور عشق، جب کہ بے عملی، رزقِ حرام اور بے یقینی خودی میں ضعف پیدا کر دیتی ہے۔ حیاتِ خودی کا انحصار مقصد آفرینی پر ہے۔ مدعا یا مقصد آفرینی سے انسان کی زندگی کو بقا حاصل ہوتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی نیک مقصد متعین کرلے اور پھر اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرے۔ زندگی کے لئے آرزو کا ہونا ناگزیر ہے کیونکہ اگر انسان کا دل آرزو سے عاری ہو جائے تو اُسے زندہ نہیں مردہ قرار دیا جاتا ہے۔

زندگانی را بقا از مدعا است   کاروانش را درا از مُدعا است
زندگی در جستجو پوشیدہ است   اصل او در آرزو پوشیدہ است
آرزو را در دل خود زندہ دار   تا نگردد مشتِ خاکِ تو مزار
آرزو جانِ جہانِ رنگ و بو ست   فطرتِ ہر شے امینِ آرزو ست

؎۱ اقبال نامہ۔ حصہ اول۔ (مرتبہ شیخ عطاءاللہ) ص ۲۰۲

حکیم احمد شجاع اپنے مضمون "نظریۂ خودی کا صحیح مفہوم" میں اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں :۔

> دل کی حرارت آرزو پر منحصر ہے اور آرزو جستجو کی محرک ہے، جستجو کی یہی سرگرمیاں جو ہر شخص کے قوائے فعالیہ کی استعداد پر منحصر ہوتی ہیں، انسان کی زندگی کا تعین کرتی ہیں۔ پس ہر شخص اپنی زندگی کا تعین ایک ہی مدعا کی جستجو سے نہیں کر سکتا۔ انہیں امور کا تعین، تعین ذات ہے اور انہیں محسوسات کا احساس، احساس نفس ہے" ۱؎

انسان کا اصل مقصد نیابت الٰہی ہے۔ انسان کا مقصد "شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو" کے مصداق ہو۔ اُسے چاہیئے کہ ماسوٰی اللہ سے بیگانہ ہو جائے اور ماسوٰی اللہ سے اُسے صرف اللہ کی محبت ہی بیگانہ کر سکتی ہے اس مقصد کے حصول کے لئے اُسے مندرجہ ذیل مقاصد پیش نظر رکھنے ہونگے۔ وہ دین کا علم حاصل کرے، اہل اللہ کی صحبت اختیار کرے، اکل حلال کی تلاش کرے، خدمت بنی آدم کو اپنا شعار بنائے، جہاد باللسان، جہاد بالقلم، جہاد بالمال، جہاد بالسیف اور جہاد بالنفس کرے۔

خودی عشق سے استوار ہوتی ہے۔ اقبال کے یہاں عشق اور خودی دو ہم معنی مضامین ہیں۔ یہ ایک ہی چیز ہے جسے وہ کبھی عشق کا نام دیتے ہیں اور کبھی خودی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ خودی کے اندر لامتناہی ممکنات پوشیدہ ہیں، خودی کو استحکام عطا کرنا ان لامتناہی ممکنات کو ظہور میں لانا ہے اقبال کے نزدیک عشق خودی کو استحکام عطا کرتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کون سی ایسی ہستی ہے جس سے عشق پیدا کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عشق کسی دنیاوی محبوب کے گرویدہ ہونے کا نام نہیں بلکہ ان ہستیوں سے عشق پیدا کرنا مطلوب ہے

۱؎ اقبال (مجلہ بزم اقبال) (۵۲-۱۹۵۳ء) حکیم احمد شجاع ۔ نظریہ خودی کا صحیح مفہوم۔ ۸۷۔

جنہوں نے اپنی خودی کے ممکنات کو وجود پذیر کر کے اپنی خاک کو رشک افلاک بنایا ہے

ہست معشوقے نہاں اندر دلت　　چشم اگر داری بیا، بنما ئمت

عاشقان او ز خوباں، خوب تر　　خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

دل ز عشق او توانا میشود　　خاک ہمدوشِ ثریّا می شود

انسان کو چاہیئے کہ وہ دنیا کی عظیم ترین ہستی محمد مصطفےٰ ؐ کی ذات اقدس ؐ سے عشق پیدا کرے۔ آپ کی ذاتِ اقدس سے عشق پیدا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ ؐ کے طرز حیات اور اصولوں کا اتباع کیا جائے۔ حضور پر نور ؐ نے غارِ حرا میں خلوت گزینی اختیار کر کے اپنی خودی کے جوہر کو آب و تاب عطا کیا۔ اسی طرح انسان بھی حضور ؐ کا اتباع کر کے اپنی خودی کو استحکام عطا کرے۔

اسرار خودی کے اگلے عنوان "در بیان اینکہ خودی از سوال ضعیف میگردد" کے تحت اقبال نے سوال کرنے یا دوسروں کے سہارے زندگی بسر کرنے کو مذموم قرار دیتے ہوئے انسان کو حُباب سے غیرت مندی اور خودداری کا سبق حاصل کرنے کی تلقین کی ہے، جو دریا میں رہ کر بھی اپنا پیمانہ نگوں رکھ کر اپنی خودداری اور غیرت مندی کو ہر قیمت پر برقرار رکھتا ہے اقبال نے انسان کو اپنی قوتِ بازو سے رزق حاصل کرنے اور اپنی خودداری کو قائم و دائم رکھنے کی تاکید کی ہے کیونکہ انسان سعی کو ترک کر کے دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اور احتیاج اور ناداری شیروں کو بھی روباہ بنا دیتی ہے احتیاج کے نتیجے میں انسان کے خیالات میں پستی آنے لگتی ہے احتیاج سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ انسان خدا کی طرف سے عطا ہوئی زندگی کی قدر کرے اور زندگی کے اوقات کا صحیح استعمال کرے تاکہ اُسے دوسروں کا منت پذیر نہ ہونا پڑے۔ منت غیر سے محفوظ رہنے کے سلسلے میں اقبال نے حضرت عمرؓ کی بے منت غیر جینے والی زندگی سے ایک مثال پیش کی ہے کہ وہ تازیانہ اٹھانے کے لئے خود اونٹ سے اترے اور کسی دوسرے کا احسان نہ لیا۔ خودی سوال کرنے سے کمزور پڑ جاتی ہے۔ حضرت محمد مصطفےٰ ؐ نے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے کو نہایت مذموم قرار دیا ہے اور جو شخص فرمان نبی ؐ پر عمل پیرا نہیں ہوتا

Scanned with CamScanner

روز حشر کو اُسے حضور کے سامنے خفت اٹھانی پڑے گی۔ انسان خواہ کتنا ہی تنگ دست کیوں نہ ہو، اُسے دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ مزدور اللہ کا حبیب ہے اور بے منتِ غیر جینے والا شخص ہی صحیح معنوں میں خود دار انسان ہے ایسے شخص کو اقبال ان الفاظ میں خراج پیش کرتے ہیں۔

اے خنک آن تشنہ کاندر آفتاب　　می نخواہد از خضر یک جام آب
تر جبین از خجلت سائل نشد　　شکل آدم ماند وحشت گل نشد
زیر گردوں آن جوان ارجمند　　می رود مثلِ صنوبر سربلند
در تہی دستی شود خود دار تر　　بخت او خوابیدو او بیدار تر
قلزم زنبیل سیل آتش است　　گر ز دست خود رسد شبنم خوشت

اگلا عنوان ہے۔" در بیان اینکہ چوں خودی از عشق و محبت محکم میگردد قوائے ظاہرہ و مخفیۂ نظام عالم از مسخر می سازد" یعنی جب عشق کی بدولت خودی میں استحکام پیدا ہوتا ہے تو نظام عالم کی ظاہری اور باطنی قوتوں کو تسخیر کر لیتی ہے یعنی کائنات پر حکمران ہو جاتی ہے۔"

از محبت چوں خودی محکم شود　　قوتش فرمانده عالم شود

اسرار خودی کے حوالے سے اقبال کے بیانات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خودی کے موضوع پر کافی عرصہ سے غور و فکر کرتے رہے ہیں۔ امت مسلمہ کی پستی اور انحطاط کے اسباب کا سراغ لگاتے ہوئے اقبال اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ نفی خودی کا مسئلہ مغلوب اقوام کی اختراع ہے تاکہ اس کی مدد سے اقوام غالب کے اخلاق کو کمزور کیا جائے۔ اقبال نے اس مسئلہ کو ایک حکایت کی مدد سے سمجھانے کی کوشش کی ہے جس کے بیان کرنے سے ان کا مقصود یہ ہے کہ غالب اور مغلوب دونوں اپنی اپنی بقا کے لئے کس طرح راہیں تلاش کر لیتے ہیں، اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے انحطاط اور زوال کا سب سے بڑا سبب عجمی تصوف ہے جس کے زیر اثر

مسلمانوں میں ترک دنیا سے ترک عمل کے نتیجے میں انسان یقینی طور پر دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اقبال کے نزدیک افلاطون کے افکار و خیالات نے مسلمانوں کے تصوف اور ادبیات کو گہرے طور پر متاثر کیا۔ انہوں نے افلاطون کے مسلک کو مسلک گوسفندی قرار دیکر اس سے احتراز کرنے کو واجب قرار دیا ہے۔ اقبال نے افلاطون کو راہب دیرینہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔ انہیں افلاطون کی عظمت فکر سے انکار نہیں لیکن۔

گفت سرِ زندگی در مُردن است　　شمع را صد جلوہ از افسردن است
گوسفندی در لباس آدم است　　حکم او برجان صوفی محکم است

افلاطون کے نزدیک کائنات میں نظر آنے والی جزئیات کا وجود حقیقی نہیں بلکہ موہوم ہے اس لئے اس تمام تر کائنات کا وجود موہوم ہے۔

بسکہ از ذوق عمل محروم بود　　جان او وا رفتہ معدوم بود
منکرِ ہنگامہ موجود گشت　　خالقِ اعیان نامشہود گشت

جب انسان اس دنیا کے ہنگامہ کا منکر ہو جائے یا اسے محض فریب نظر یا دھوکہ قرار دے تو پھر اس کے حصول کی کوشش کرنا ہی بیکار ہے اسے مسخر کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اقبال نے افلاطون کے نظریۂ اعیان کی شدید مخالفت اس لئے کی ہے کہ یہ انسان کو رہبانیت کی طرف لے جاتا ہے۔ رہبانیت اسلام کی ضد ہے۔ قرآن کی رو سے یہ دنیا فریب نظر یا دھوکہ نہیں ہے بلکہ اس کو مسخر کرنا اور اس پر اللہ کی حکومت قائم کرنے کیلئے انسان کی تخلیق کی گئی ہے۔ قرآن انسان کو قوت حاصل کرنے کی تلقین اس لئے کرتا ہے تاکہ وہ کائنات کی تسخیر کر سکے۔ کائنات کی تسخیر کرنے کے بعد اپنی قوت کو قانون الٰہی کے تابع کرے تاکہ انسان کی طاقت بنی آدم کے حق میں رحمت کا باعث بن سکے۔ اقبال کے مرد مومن پر نطشے کے اثرات بتائے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقبال کے مرد مومن

پر نطشے کے بجائے الجیلی ع۱ کا گہرا اثر ہے۔

جہاں تک نطشے ع۲ کے SUPPER MAN کا تعلق ہے اس کے نزدیک انسان اس لئے قوت حاصل کرے تاکہ انسانوں پر غالب آیا جائے۔ جب کہ اقبال اس نظریئے کے بالکل مخالف نظریہ رکھتے ہیں، اقبال اور نطشے دونوں مفکرین کے یہاں بعض چیزوں میں سطحی مشابہت کے باوجود دونوں کے فکری رویئے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

مثنوی اسرار خودی کا ایک عنوان "درحقیقت شعر و اصلاح ادبیاتِ اسلامیہ" کے عنوان سے مخصوص ہے مذکورہ عنوان کے تحت اقبال نے ایسے ادبیات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جس نے قوم کی اخلاقیات کو تباہ کر دیا ہے انہوں نے قوم کے اندر تحریک اور فعالیت پیدا کرنے والی شاعری

ع۱ الجیلی کی مشہور تصنیف "الانسان الکامل" ہے اس اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

ع۲ اقبال اور نطشے دونوں انسان کی ضعف پسندی اور نفی خودی کے سخت مخالف ہیں۔ نطشے انسان کی قوت کے اس لئے آرزو مند ہیں تاکہ ایک اعلیٰ تر نوع حیوان وجود میں آسکے جب کہ اقبال انسان کے قوت تسخیر کے اس لئے خواہشمند ہیں تاکہ اس کی خودی "قوی ہوتے ہوتے یہاں تک پہنچ جائے کہ اس میں صفات الٰہی کی شان جھلکنے لگے" اقبال نے انسان کامل اور نطشے نے فوق الانسان کا نظریہ پیش کیا۔ لیکن اس سلسلے میں دونوں مفکروں کی توضیحات اور تشریحات بالکل جُدا جُدا نوعیت کی حامل ہیں۔ اقبال اور نطشے کے یہاں اس طرح کی سطحی مشابہت کے پیشِ نظر اقبال پر نطشے کے گہرے اثرات بتائے گئے ہیں لیکن اقبال نے نطشے کی تقلید اور تتبع سے صاف انکار کیا ہے۔ اقبال کے بیان کے مطابق اسرار خودی کی تصنیف سے بہت عرصہ پہلے انہوں نے انسان کامل کے متصوفانہ عقیدہ پر غالباً ایک مضمون تحریر کیا تھا جب کہ نطشے کی کتابیں ان کی نظروں سے بھی نہیں گذری تھیں اور نہ ہی نطشے کے عقائد کا غلغلہ ان کے کانوں تک پہنچا تھا۔

Scanned with CamScanner

کی سراہنا کی ہے۔ اقبال نے یہاں پر ایک مرتبہ پھر انسانی زندگی میں آرزو کی ضرورت اور اہمیت پر زور دیا ہے جس کی بدولت انسان زندگی میں جوش اور ولولے کے ساتھ کام کرتا ہے شعراء حضرات کو دو گروہوں میں منقسم کیا گیا ہے، ایک گروہ وہ ہے جو نوجوانوں کو اخلاقی اعتبار سے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ شعراء کا دوسرا گروہ وہ ہے جو تلامیذ الرحمان ہوتے ہیں۔ اقبال کی رائے میں شاعری کا مطلب زندگی کے تلخ حقائق سے آنکھ ملانا اور ان کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانے والے شعراء اقبال کی نظر میں قوم کے دشمن ہیں حقیقی شاعر وہ ہے جو انسان کو جد و جہد کرنے کی تلقین کرے۔ وہ شاعری جو انسان کو ذوق عمل سے بیگانہ کر دے انسان کے حق میں افیون ہے۔ اقبال شعراء حضرات کو مشورہ دیتے ہیں کہ قوم آپ سے زندگی کو استحکام عطا کرنے والی شاعری کا تقاضا کرتی ہے۔ مسلمان شعراء کو اپنی شاندار اور عظیم اسلامی روایات کو ملحوظ رکھنا چاہیئے اُن کا نقطہ نظر اسلامی ہونا چاہیئے۔ اقبال کے نزدیک عرب شاعری میں حقیقت پروری اور ہمت افزائی تھی اس میں بادِ صحرا کی گرمی اور بادِ صرصر کی تندی تھی۔ عجمی افکار اور جذبات نے اسلامی ادب کو زندگی کی قوتوں سے بیگانہ کر دیا۔

اے ہما از یمن دامن ارجمند　　آشیانے ساز بر کوہِ بلند
آشیانے برق و تند روبرے　　از کنامِ جرہ بازاں برترے
تاشوی در خوردِ پیکار حیات　　جسم و جانت سوز از نارِ حیات

خودی کی تربیت کے تین مراحل ہیں۔ پہلا مرحلہ اطاعت، دوسرا مرحلہ ضبطِ نفس اور تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی کائنات کی مختلف اشیاء پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مخصوص قانون یا نظام کی پابند ہیں۔ انسان چونکہ اشرف المخلوقات ہے۔ نائب حق ہے، مسجود ملائک ہے، اس لئے وہ قدرت کے قانون یا نظام سے مستثنیٰ نہیں رہ سکتا۔ اس پر بھی قانونِ الٰہی کی پابندی لازم ہے۔ انسان بعض معاملات میں اگرچہ

مجبور محض ہے تاہم اس مجبوری کے ساتھ ساتھ اسے اختیار کی نعمت سے بھی سرفراز فرمایا گیا ہے قانون الٰہی کی اطاعت کرنے میں اسے اپنی ذات پر اپنی غفلت کی وجہ سے بظاہر ایک جبر سا محسوس ہوتا ہے لیکن یہ جبر ایک اختیار لئے ہوئے ہے۔

در اطاعت کوش اے غفلت شعار می شود از جبر پیدا اختیار

دہر میں عیش دوام آئین کی پابندی سے ہے موج کو آزادیاں، سامانِ شیون ہوگئیں

واقعہ یہ ہے کہ جب ایک انسان قانونِ الٰہی کی حدود کے اندر رہ کر عمل کرنے لگتا ہے تو اس کی سیرت میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس قانون یا نظام کے تحت عمل کرنا اس کا معمول بن جاتا ہے۔ کائنات کی ہر شئے چونکہ ایک مخصوص نظام کی پابند ہے اور اسی پابندی کی بدولت ان اشیاء کا وجود قائم و دائم ہے۔ ورنہ قانون کی حدود سے باہر رہ کر انتشار کے خدشات کا پیدا ہونا یقینی بن جاتا ہے۔ اقبال انسان کو قانونِ الٰہی اور شریعت محمدیؐ کا پابند ہونے کی تلقین کرتے ہیں۔ قانونِ الٰہی یا نظام حق کی اطاعت کرنا بڑا ہی دشوار کام ہے لیکن مسلمان کو حُدودِ مصطفےٰ یا شریعت محمدیؐ سے ہرگز باہر نہ رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

شکوہ سنج سختی آئین مشو از حدود مصطفےٰ بیرون مرو

ضبط نفس تربیت خودی کا دوسرا مرحلہ ہے انسانی نفس کو ایک بے لگام گھوڑے سے مشابہہ کیا جائے تو غالباً غلط نہ ہوگا۔ اصل میں تربیت خودی کا پہلا اور دوسرا مرحلہ باہم دگر گہرے طور پر وابستہ ہیں یا دوسرے لفظوں میں انہیں لازم و ملزوم کہا جاسکتا ہے اطاعت کے لئے ضبط نفس لازمی ہے انسان اپنی بُری خواہشات پر قابو پائے اور نیک خواہشات کی جستجو کرے۔ ضبط نفس سے یہ مراد نہیں کہ انسان اپنی زندگی سے آرزو یا خواہش کو قبیح سمجھ کر خارج کر دے۔ آرزو یا خواہش ہی زندگی کا دوسرا نام ہے اقبال نے خواہش یا آرزو کو انسان کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل بتایا ہے مگر یہ آرزو زن، زر اور زمین کے

حصول کے لئے پیدا نہ کی جائے بلکہ اسے نیک مقاصد کے حصول کے لئے پیدا کیا جائے۔ انسان اپنی خواہشات اور آرزوؤں کو نیک مقاصد کے لئے وقف کر دے جب ہی وہ کائنات کو مسخر کرنے کا اہل ہو سکتا ہے۔ اس کی مرضی خدا کی مرضی اور اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہو جاتا ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے　　خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ　　غالب و کار آفریں، کارکشا کارساز

اقبال کی نظر میں انسان کی عظمت کا جو تصور ہے اس نے بعض حلقوں میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی، حتیٰ کہ بعض ناقدین یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اقبال نے انسان کو خدا بنا دیا ہے۔ اقبال نے اس نوع کے تاثرات یا بیانات کے نتیجے میں انسان کی عظمت کے تصور کو مزید رفعت عطا کر کے کہا۔

از قم او خیزد اندر گور تن　　مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

ذات او توجیہہ ذات عالم است　　از جلال او نجاتِ عالم است

جلوہ ہا خیزد ز نقش پائے او　　صد کلیم آوارہ سینائے او

تربیت خودی کا تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی ہے۔ نائب حق بننے کے لئے اقبال صحبت مُرشد کو ناگزیر قرار دیتے ہیں۔ نائب حق کی خصوصیات گنواتے ہوئے کہتے ہیں۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است　　بر عناصر حکمران بودن خوشت

نائب حق ہمچو جان عالم است　　ہستی او ظلِ اسم اعظم است

از رموزِ جزو و کل آگاہ بُود　　در جہاں قائم بامر اللہ بود

خیمہ چوں در وسعت عالم زند　　ایں بساط کہنہ را برہم زند

نائب حق انسانوں کے حق میں بشیر ہوتا ہے، نذیر ہوتا ہے اس کی ہیبت سے دریائے نیل خشک ہو جاتا ہے۔

از قم او خیزد اندر گور تن
مردہ جانہا چوں صنوبر در چمن

ذات او توجیہہ ذات عالم است
از جلال او نجاتِ عالم است

ذرہ خورشید آشنا از سایہ اش
قیمت ہستی گراں از مایہ اش

جلوہ ہا خیزد زنقش پائی او
صد کلیم آوارہ ی سینای او

زندگی را می کند
نو می دہد این خواب را تعبیر نو

بندہ خلیفہ عبدالحکیم کے الفاظ میں "عبودیت میں کامل ہو کر اور خدا کی ذات کو اپنی ذات میں سمو کر جو فعل کرتا ہے اُس کے فعل میں کوئی فرق نہیں رہتا" ع۱

اس کے بعد اسمائے حضرت علیؓ کے اسرار کی تشریح کی گئی ہے حضرت علیؓ میں علم عشق اور جہاد یعنی عمل جیسی تین خوبیاں بیک وقت جمع ہو گئیں تھیں۔ حضرت علیؓ کے چار القاب، یداللہ، کرار اور دروازہ شہر علوم کا بیان کر کے ہر لقب کی وضاحت کے لئے آپؓ کی حیات سے مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ آگے چل کر کئی حکایات مثلاً اس نوجوان کی حکایت جو مرو سے چل کر شیخ علی ہجویری کی خدمت میں لاہور اس لئے حاضر ہوا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے زبردست خائف تھا اور شیخ علی ہجویری سے زندگی بسر کرنے کا کوئی طریقہ چاہتا تھا اس حکایت کے بیان کرنے سے اقبال کا یہی مقصد ہے کہ انسان اپنے دل سے خوف و ہراس نکال کر اپنے اندر کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے انہیں بروئے کار لائے تاکہ اس کی خودی مستحکم ہو سکے کیونکہ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

اس کے بعد چند اور حکایات "حکایت طائرے کہ از تشنگی بیتاب بود" اور "حکایت الماس و زغال" "حکایت شیخ و برہمن" و "مکالمہ گنگا و ہمالہ در معنی ایں کہ تسلسل حیات ملّیہ از محکم گرفتن روایات مخصوصہ ملّیہ می باشد" کے بیان کرنے سے اقبال انسان کی خودی کو مستحکم

کرنے اور ہر لمحہ خودی کا تحفظ کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

غافل از حفظ خودی یک دم مشو

ریزہ الماس شو، شبنم مشو

کیونکہ جو انسان اپنی خودی کے تحفظ سے غفلت برتتا ہے تو اس پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا حکایات کے بعد "در بیان ایں کہ مقصد حیات مسلم اعلائے کلمۃ اللہ است و جہاد اگر محرک او جو الارض باشد در مذہب اسلام حرام است" کے عنوان کے تحت بتایا گیا ہے کہ مسلمان کی حیات کا مقصد کرۂ ارض پر اللہ کے کلمہ کا بول بالا کرنا ہے اور جہاد کا محرک اگر جوع الارض ہو تو وہ مذہب اسلام میں حرام ہے۔ جہاد کا اصل مقصد جہاد فی سبیل اللہ ہے لیکن اگر جہاد کسی کو غلام بنانے کیلئے کیا جائے تو اُسے جہاد نہیں بلکہ جنگ و جدل کے نام سے موسوم کیا جا سکتا ہے جو ہر حال میں، حرام ہے ناجائز ہے۔

اس کے بعد تین بندوں پر مشتمل ایک عنوان "مبحث پانزدم" ہے پہلے بند میں بتایا گیا ہے کہ زندگی کیا چیز ہے علم و حکمت سے استفادہ کا کیا طریقہ ہے اور مسلمان کے لئے کون سا علم مفید ہے دوسرے بند میں عہد حاضر کی دانش اور مغربی تہذیب کی مذمت کرنے کے بعد اس کے مفاسد کی وضاحت کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

دانش حاضر حجاب اکبر است　　بت پرست و بت فروش و بت گر است

تیسرے بند میں مسلمانان ہند کی حالت زار پر تبصرہ کر کے ان کے زوال کے اسباب کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور واعظ اور صوفی دونوں کی ملت فروشی کا ماتم کیا گیا ہے

واعظاں ہم صوفیاں منصب پرست　　اعتبار ملت بیضا شکست

واعظِ ما چشم بر بت خانہ دوخت　　مفتی دینِ مبین فتوے فروخت

چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما
رُخ سوئے میخانہ دارد پیر ما

اس کے بعد ایک نہایت ہی اہم عنوان "الوقت سیف" ہے، جسے حضرت امام شافعی کا مقولہ بتایا جاتا ہے اقبال ایک بڑے مفکر کی طرح مسئلہ زماں پر سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرتے رہے ہیں "اسرار خودی" میں "الوقت سیف" کے زیر عنوان اشعار میں تصور زماں کے سلسلے میں اُن کی فکر میں بڑی بالیدگی، پختگی، گہرائی، اور وسعت ملتی ہے اسرار کے علاوہ بھی تصور زمان کو اقبال نے اپنی دوسری تصانیف جیسے بال جبریل، ضرب کلیم، پیام مشرق جاوید نامہ اور زبور عجم میں موضوع فکر بنایا ہے۔ ان منظوم تصانیف کے علاوہ اپنے انگریزی خطبات "RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM" میں مسئلہ زماں کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اسے مسلمانوں اور انسانوں کے لئے زندگی اور موت کا سوال قرار دیا ہے۔ "پیام مشرق" میں "نوائے وقت" میں زمانے کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں:

در من نگری، بلیچم در خود نگری جانم

اور دوسری جگہ:

از جان تو پیدایم در جہاں تو پنہانم

بال جبریل کی نظم "زمانہ" کے مطابق حقیقی زمان زندگی کا دوسرا نام ہے۔

میرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف سے بیگانہ تیر اُس کا نظر نہیں جس کی عارفانہ

جاوید نامہ کی رو سے زمان کی روح انسان سے کہتی ہے کہ میں کائنات پر حکمران ہوں۔ جہاں تک مثنوی "اسرار خودی" کا تعلق ہے اس میں اقبال نے تین بندوں پر مشتمل "الوقت سیف" کے عنوان کے تحت تصور زمان کو پیش کیا ہے جیسا کہ ابھی ذکر کیا

گیا کہ الوقت سیف معروف بزرگ حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول ہے جسے اقبال نے مثنوی اسرارِ خودی میں مسئلہ زماں کو پیش کرنے کیلئے عنوان کے طور پر برتا ہے۔ اس عنوان کے تحت پیش کئے گئے اشعار میں اقبال نے بتایا ہے کہ زماں کوئی منجمند یا ساکن حقیقت نہیں ہے بلکہ یہ ایک تخلیقی حرکت کا نام ہے۔ انسان زمان کو اپنی نافہمی کے باعث ماضی حال اور مستقبل میں تقسیم کرتا ہے۔ اسے زمان کا مادی یا ظاہر پہلو ضرور قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اقبال کے نزدیک زمان کو شب و روز کے آلے سے ناپنے والے یا زمان کو ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کرنے والے زمان کے حقیقی تصور سے آگاہ نہیں ہو سکتے۔ دراصل زمان کا ایک مادی مفہوم ہے اور ایک حقیقی مفہوم ہے لیل و نہار کے انقلاب سے زمان کا ایک مفہوم ضرور ظاہر ہوتا ہے اور اقبال اسے بھی سمجھنے کو لازم قرار دیتے ہیں:

گردشِ گردوں گرداں دیدنی است
انقلاب روز و شب فہمیدنی است

قرآن کی رُو سے اختلاف لیل و نہار میں خدا کی قدرت کی نشانیاں مضمر ہیں۔
اقبال زمان کے متعلق اپنا ایک مخصوص اور منفرد نظریہ رکھتے ہیں۔ اس نظریئے میں مغربی منکر برگسان کے زورِ فکر اور قوت استدلال نے بڑی وسعت اور گہرائی پیدا کی ہے۔ اقبال نے برگسان کے فلسفے سے اکتسابِ فیض کرنے کا خود بھی اعتراف کیا ہے۔ تصور زمان کے متعلق اقبال اور برگسان دونوں کے افکار میں مماثلت ملتی ہے۔ اقبال گول میز کانفرنس کے سفر کے دوران اپنے ہم فکر مفکر برگسان سے تبادلہ خیالات کرنے کے خواہاں تھے۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی۔ اقبال نے برگسان کو دورانِ گفتگو دہر کے متعلق حدیثؐ "لاتسبو الدہر فانی دھر ہواللہ" سنائی۔ اقبال کے الفاظ میں برگسان یہ حدیث سن کر اچھل پڑا اور اس کی روح بے انتہا مسرت سے لبریز ہو گئی کہ ایک نبیؐ عظیم کے قلب پر وہی حقیقت وارد ہوئی جسے وہ استدلال اور ذاتی وجدان کی بناء پر دُنیا کے سامنے عمر بھر پیش کرتا رہا۔

Scanned with CamScanner

اسرارِ خودی کے عنوان "الوقت سیف" کے تحت آنے والے اشعار میں دہرِ خلاق کو ایک شمشیر سے تعبیر کرتے ہوئے اس کے سفر کو مدام جاری قرار دیتے ہوئے اس کی خلاقی قوتوں کو مختلف پیغمبروں کے یہاں کارفرما بتایا گیا ہے۔

سبز بادا خاک پاک شافعی — علمے سرخوش ز تاکِ شافعی
فکر او کوکب زگردوں چیدہ است — سیف براں وقت رانامیدہ است
من چہ گویم سرِ ایں شمشیر چیست — آب او سرمایہ دار زندگیست
صاحبش بالا تر از امید و بیم — دستِ او بیضا تر از دستِ کلیمؑ
سنگ از یک ضربت او تر شود — بحر از محرومی نم بر شود
در کفِ موسیٰؑ ہمیں شمشیر بود — کار او بالا تر از تدبیر بود
سینہ دریائے احمر چاک کرد — قلزمے را خشک مثلِ خاک کرد
پنجہ حیدرؓ کہ خیبر گیر بود — قوت او از ہمیں شمشیر بود

ان اشعار میں دہر کا جو تصویر پیش کیا گیا ہے وہی اس کا حقیقی تصور ہے اور دہر کے اس حقیقی تصور پر دوش و فردا کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی اس میں گردشِ روز و شب کے کسی عمل کا دخل ہے۔

اصل وقت از گردشِ خورشید نیست
وقت جاوید است و خود جاوید نیست
عیش و غم عاشور و دہم عید است وقت
سرِ تاب ماہ و خورشید است وقت
وقت را مثل مکاں گسترده
امتیاز دوش و فردا کرده

اے چو بُو رم کردہ از بُستانِ خویش
ساختی از دستِ خود زندانِ خویش

اور خدا کے یہاں جو وقت ہے وہ ہمارے تصورِ وقت سے قطعی مختلف ہے

وقتِ ما کو اول و آخر ندید از خیابانِ ضمیرِ ما دمید
زندہ از عرفانِ اصلش زندہ تر ہستی او از سحر تابندہ تر
زندگی از دہر و دہر از زندگی است لاتسبو الدہر فرمانِ نبیؐ است

عرفانِ نفس حاصل کر کے زندگی سے آگاہ ہونے اور زندگی کی قوتوں کو وسعت دینے والے انسان کا وقت بھی ماضی، حال اور مستقبل میں تقسیم کی گئی کوئی مکانی قسم کی چیز نہیں۔ عرفانِ ذات حاصل کر کے زمان و مکان پر قدرت حاصل کرنے والے حیاتِ جاوداں سے آگاہ نہیں۔ خودی کی ماہیت حیاتِ جاوداں ہے۔ "الوقت سیف" کے دوسرے بند میں عبد اور حُر کے درمیان فرق بتلاتے ہوئے اپنے من میں استغراق پیدا کرنے اور رازِ وقت کو سمجھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ عبد لیل و نہار کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ شب و روز کا کفن پہن لیتا ہے وہ پرندے کی طرح شب و روز کے دام میں اسیر ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنے اوپر لذتِ پرواز کو حرام کر دیتا ہے۔

عبد را ایام زنجیر است و بس بر لبِ او حرفِ تقدیر است و بس

عبد پر زمانہ حکمراں ہوتا ہے لیکن حُر زمانے پر حکمراں ہوتا ہے۔ حُر ہمیشہ انقلاب برپا کرتا رہتا ہے۔ عبد گردشِ افلاک اور نیرنگیِ تقدیر کا شاکی ہوتا ہے جب کہ حُر خود تقدیر یزداں بن جاتا ہے اور اسی کی ہمت قضائے ایزدی کی ہمدم بن جاتی ہے۔

ہمتِ حُر با قضا گردد مشیر
حادثات از دستِ او صورت پذیر